© rasailojaraid.com

# اخلاق و فلسفۂ اخلاق

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

(۲)

پس انہی قوا، کی شمار کے اعتبار سے نفس کے فضائل کی تعداد کا اندازہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اگر نفس ناطقہ کی حرکت اعتدال پر ہو اور اُس میں معارف و علوم یقینیہ کے اکتساب کا شوق بھی پایا جاتا ہو تو اس حرکت سے علم حاصل ہوتا ہے اور اُس کے تابع ہو کر حکمت حاصل ہوتی ہے، اور جب نفس سبعی کی حرکت اعتدال پر ہوتی ہے اور نفس ملکوتی کے تابع بنجاتی ہے اور قوتِ عاقلہ نے جو بھی اُس کا حصہ مقرر کر دیا ہے اُس پر قانع رہتی ہے تو اس "حرکت" سے فضیلت حلم پیدا ہوتی اور اس کے تابع ہو کر شجاعت وجود میں آتی ہے اور جب نفس بہیمی کی حرکت میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ عاقلہ کی فرمانبردار ہو کر اپنے حصہ پر قانع ہو جاتا ہے تو اس "حرکت" سے فضیلت عفت وجود پذیر ہوتی ہے اور اُس کے پیچھے سخاوت پیدا ہوتی ہے۔

عدل | اور جب یہ تینوں فضائل حاصل ہو کر باہم دگر وابستہ ہو جائیں تو ان تینوں کی ترکیب سے ایک مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو ان تمام فضائل سے بالاتر ہو کر درجۂ کمال حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس فضیلت کا نام عدالت ہے[1]۔

اور امام غزالی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں :-

اس بحث میں چار امور قابلِ لحاظ ہیں (۱) عملِ جمیل، یعنی اچھے اور بُرے افعال کا عمل (۲) قدرت،

[1] اخلاق جلالی صفحہ ۱۰۴ تا ۱۱۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یعنی اُس کے کرنے نہ کرنے پر قادر ہونا (۳) معرفت۔ یعنی اُس کے اچھے یا بُرے ہونے کو پہچاننا (۴) نفس کی وہ ہیئت وصورت جس سے دونوں جانبوں میں سے کسی ایک جانب میلان ہو سکے اور اُس کی بدولت دونوں میں سے کسی ایک بات کا ہونا آسان ہو جائے۔

لیکن پہلی بات یعنی نفس عمل "خلق" نہیں کہلایا جا سکتا اس لیے کہ ایک شخص ایسا ہو سکتا ہے کہ خلق سخاوت رکھتا ہو لیکن غریب ہونے یا کسی اور سبب کے پیش آجانے سے مال خرچ کرنے سے محروم ہو یا اس کے برعکس صفت بخل تو اُس میں موجود ہو مگر وہ ریا و نمود کی خاطر سخی کی طرح خوب خرچ کرتا رہتا ہو۔

اور نہ قدرت کا نام خُلق ہو سکتا ہے اس لیے کہ قدرت کی نسبت تو دینے اور نہ دینے دونوں جانب یکساں ہے۔ وہ انسان ہے اور انسان ان دونوں باتوں پر قادر ہے۔ تو پھر یہ قدرت کس طرح خلق بن سکتی ہے؟۔ صرف معرفت کا نام بھی خلق نہیں ہے اس لیے کہ معرفت کی نسبت اچھے اور بُرے دو قسم کے اخلاق وصفات پر ہوتی ہے۔ بلکہ "خلق" اُس چوتھی صورت کا نام ہے جس کو ہیئت کہا جاتا اور جو نفس کو اس قابل بناتی ہو کہ اُس سے عطا و بخشش، یا بخل اور کنجوسی صادر ہو۔

اور جس طرح "چہرہ کا حسن" ناک، رخسار، اور ہونٹوں کے بغیر صرف آنکھوں کی خوبصورتی ہی س کامل نہیں ہو سکتا، اسی طرح "باطن کا حسن" بھی ان چار ارکان کے بغیر کامل و مکمل نہیں ہو سکتا۔ اور جب ا سب کے اختلاط سے اعتدال وتناسب کے مطابق مزاج پیدا ہو جاتا ہے تو پھر "حُسنِ خلق" وجود میں آجا ہے۔ امام راغبؒ نے اس فرق کو اس طرح ادا کیا ہے:۔

طبیعت اور غریزہ نفس کی ایسی قوت کا نام ہے جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے اور شیمہ اور سجیۃ اُس حالت کو کہتے ہیں جس پر غریزہ قائم ہے، اور غالب حالات میں یہ بھی تغیر کو قبول نہیں کرتی اور خُلق بہت سے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ گاہے قوت غریزہ کے معنی میں بولا جاتا ہے حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


فرغ اللہ من الخلق والخُلق والرزق — اللہ تعالیٰ پیدائش، طبیعت، رزق، اور موت
والاجل ۔ — کے معاملہ کو مکمل کر چکا۔

بھی ایسی اکتسابی حالت کو کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انسان اس قابل بنتا ہے کہ وہ ایک کام کی طرف
ام کرتا اور دوسرے سے باز رہتا ہے۔ مثلاً جس انسان کے مزاج میں حدت اور تیزی ہوتی ہے اُس کو
تے ہیں "انہ خلیق بالغضب" (یہ تو غصہ کے ہی قابل ہے) اور اس تعریف کے مطابق تمام حیوانات
ذاتی خصوصیات کے لیے لفظ خلیق کو استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً شیر کے لیے بہادری، خرگوش کے لیے
لی، اور لومڑی کے لیے مکاری کے اوصاف کو اُن کا خلق کہتے ہیں۔

کبھی خُلق کو خلاقہ بمعنی ملاسۃ* سے اخذ کرتے ہیں۔ اور اس معنی کے لحاظ سے خلق اُس کیفیت
م ہے جس پر انسان اپنے قویٰ میں سے بعض قوتوں پر عادت کے ذریعہ سے مستقل اور قائم ہو جائے۔
پس اس اعتبار سے کبھی خلق نفس کی اس کیفیت پر بولا جاتا ہے۔ جس سے افعال بغیر فکر و تردد کے
ر ہوتے ہیں۔ اور کبھی اُن افعال پر اُس کا اطلاق ہوتا ہے جو اُس کے ذریعہ صادر ہوتے ہیں۔

اس اصول کے مطابق کبھی وہ فعل اور ہیئت دونوں پر یکساں بولا جاتا ہے، جیسے عفت، عدالت
عت وغیرہ ہیں۔ اور کبھی ہیئت کا ایک نام ہوتا ہے اور فعل کا دوسرا نام جیسے جود و سخا یہاں سخا تو
ت و کیفیت پر اطلاق ہوتا ہے اور جود اُس فعل پر جو اس کیفیت سے صادر ہوا۔

اور عادت فعل یا انفعال کے اُس تکرار کا نام ہے۔ جس سے خلق تکمیل پاتا ہے۔ اور عادت کا
یہی کام ہے کہ وہ انسان کی قوت کو فعلیت میں لے آئے۔ مگر جبلت و خلقت کے خلاف انسان
سجیۃ یا طبیعت کا متغیر کر دینا عادت کے دائرہ سے باہر اور قطعاً محال ہے۔ اس لیے کہ طبیعت کا
تو خالق کائنات عزوجل ہے اور عادت مخلوق کا اپنا فعل ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق کے

*ملاسۃ زمین کو گھس گھس کر ہموار اور چکنا کرنے کو کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



فعل کو مخلوق بدل دے۔ البتہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عادت مختلف اثرات سے متاثر ہو کر ایسی قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے کہ اُس کو بھی سجیتہ اور طبیعت ہی کہنے لگتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ مقولہ مشہور "العادۃ طبیعۃ ثانیۃ" عادت دوسری طبیعت ہے۔

# خیر، سعادت، فضیلت، منفعت اور اُنکا باہمی امتیاز

یہ چار امور ہیں جو اپنے حقائق کے لحاظ سے جُدا جُدا حقیقت ہیں۔ اور ان کے درمیان امتیازی قائم ہیں ان میں سب سے بلند مقام "خیر" کا ہے۔ اس لیے کہ "خیر مطلق" اپنی ذات اور حقیقت کے ا سے مقصود ہے، اور اس کے علاوہ جو شے بھی مطلوب و مقصود ہے وہ صرف اس لیے کہ اُس میں "خیر" دنیا کا ہر عقلمند بغیر استثنا اگر کسی شے کا شائق و عاشق ہے تو وہ یہی خیر ہے۔ حتیٰ کہ بعض کوتاہ نظ "شر" کو اس لیے کرگذرتے ہیں کہ اُن کی نگاہ میں وہ "خیر" نظر آتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے کہ کوئی خیر ایسی نہیں ہے جس کا انجام کار "جہنم" ہو کوئی شر ایسی نہیں جس کا مآل کار "جنت" ہو۔ گویا خیر مطلق کبھی برائی کا سبب نہیں بن سکتی اور شر کبھی بھلا کا باعث نہیں ہو سکتی

"سعادتِ مطلقہ" اُس حقیقت کا نام ہے جس سے آخرت میں لذتِ حیات حاصل ہو۔ یعنی بق دوام، کمالِ قدرت، کمالِ علم اور غنا، یا یوں کہہ دیجیے کہ جو ان چار امور تک رسائی کا ذریعہ ہو اُس کا نام "سعادت" ہے۔ اور اس کی جانب مخالف کا نام "شقاوت"۔ "فضیلت" اُن امور کا نام ہے جو سعادت انسانی کا باعث بنتے اور دوسروں پر اُس کو سرفرازی بخشتے ہوں۔ اس کے مخالف پہلو کو رذیلت سے تعبیر کرتے ہیں۔

"نافع" اُن اشیا کا نام ہے جو خیر، سعادت، اور فضیلت کے لیے ممد و معاون ثابت ہوتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک "ضروری" جس کے بغیر مطلوب و مقصود تک پہنچنا ناممکن ہو۔ مثلاً ۔۔۔ صحیح اور عملِ صالح کے بغیر سرمدی لذتوں سے بہرہ اندوز ہونا ناممکن ہے۔ دوسری "غیر ضروری" جو مفید ۔۔۔ سب تو ہو لیکن موقوف علیہ نہ ہو یعنی دوسری شے بھی اُس کی قائم مقامی کر سکتی ہو۔ مثلاً بعض اعمالِ ۔۔۔ع جو اپنے نافع ہونے میں متبادل حیثیت رکھتے ہوں۔ جیسا کہ سکنجبین صفراء کے لیے قاطع ہے مگر ۔۔۔ن فائدہ کے لیے اس کا بدل دوسری دوا بھی ہو سکتی ہے[۱]

**۔۔۔نائل کا ۔۔۔تقاء و تنزل** فطرت کے عام قانون کے مطابق فضائل میں بھی ارتقاء و تنزل کے مدارج موجود ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو فضائل کے ارتقائی درجات کے حصول کی ترغیب ۔۔۔ی ہے اور انحطاط سے باز رکھا ہے حصول ارتقاء کے متعلق ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| سارعوا الی مغفرۃ من ربکم | خدائے تعالیٰ کی مغفرت (سعادتِ سرمدی) کی جانب دوڑو۔ |
| فاستبقوا الخیرات۔ | پس کوشش کرو "خیر و فلاح" میں آگے بڑھ نکلنے کی۔ |
| یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون۔ | وہ "خیر و فلاح" کے لیے دوڑ کرتے ہیں اور وہ ان کے بارہ میں آگے بڑھ جانے والوں میں ہیں۔ |

فضائل کے انحطاط سے محفوظ رکھنے کے لیے ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| ولا ترتدوا علیٰ ادبارکم فتنقلبوا خاسرین۔ | اور اپنی ایڑیوں کے بل واپس نہ ہو کہ نتیجہ میں نقصان و خسارے کر واپس ہو۔ |
| ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا۔ | اور تم اس کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے سوت کو مضبوط لپیٹنے کے بعد اپنی ہنڈیا کو اُدھیڑ ڈالا۔ |
| ان الذین ارتدوا علیٰ ادبارھم | بلاشبہ جو لوگ اپنی ایڑیوں کے بل ایسی حالت میں |

[۱] ۔۔۔ذریعہ ص ۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



من بعد ما تبین لھم الھدیٰ — واپس ہوگئے کہ ہدایت اُن پر واضح ہو چکی تھی تو دراصل

الشیطٰن سول لھم واملیٰ لھم — شیطان نے اُن کو پھسلایا اور اُن کو توقعات میں مبتلا کردیا۔

فضائل کے ارتقائی درجات بھی چار ہیں اور انحطاطی مراتب بھی چار ہیں۔

ان ارتقائی درجات میں سے اگر انسان برائیوں، بداخلاقیوں اور گناہوں سے باز رہ کیے ہوئے پر نادم ہو، اور آئندہ نہ کرنے پر عزم صمیم رکھتا ہو تو یہ پہلا درجہ ہے اور اس درجہ کے حامل کو مطیع اور "تائب" کہتے ہیں اور اگر مقررہ عبادات وطاعات کا پابند اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں اخلاق کریمانہ کا حامل ہو، اور بقدر وسعت اُنکی جانب سبقت کرتا ہو تو یہ دوسرا درجہ ہے اور اس کے اہل کو "صالح" کہتے ہیں اور اگر شہوات پر ضبط کے ذریعہ حسنات وخیرات اس کی طبیعت ثانیہ بن گئے ہوں اور سیئات واعمال بد سے فطرۃً نفرت پیدا ہو گئی ہو تو یہ تیسرا درجہ ہے اور اس کے صاحب کو "شہید" کہا جاتا ہے۔ اور اگر ان ہر سہ منازل کی مجموعی حالت وکیفیت معراج کمال کے اُس درجہ کو پہنچ چکی ہو کہ انسان تمام نیک وبد امور میں خدائے تعالیٰ کی مرضیات میں غرق ہو چکا ہو، اور اُس کی ہر حرکت وسکون مشیت الٰہی کے تابع ہو کر راضی برضاء الٰہی کی حد تک پہنچ گئی ہو تو اس درجہ کے حامل کو "صدیق" کا لقب ملتا ہے، چنانچہ قرآن عزیز کی اس آیت میں انہی درجات کا ذکر کیا گیا ہے۔

ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصٰلحین وحسن اولٰئک رفیقاً — اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے پس یہی لوگ ہیں جو اُن کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام واکرام کیا ہے اور وہ نبی، صدیق، شہید، اور صالحین ہیں۔ اور یہ اچھے رفیق ہیں۔

اسی طرح انحطاط فضائل ہیں اگر اعمال خیر کے بارہ میں کسل وسستی نے جگہ لے لی ہے اور وہ چھوڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ـرات سے باز رہتا ہے۔ تو اس درجہ کا نام "زیغ" ہے

فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم — پس جب وہ کجی اختیار کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں کجی ڈال دیتا ہے۔

اگر خیر کے لیے وسعت نظر مفقود ہو جائے اور بدعملی تک نوبت پہنچ جائے تو اُس کا نام "رین" ہے

کلا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون۔ — معاملہ یوں نہیں ہے بلکہ بدعملی کرتے کرتے اُن کے دلوں پر بدی کا زنگ چڑھ گیا ہے۔

اگر صورتِ حال اس حد تک پہنچ جائے کہ باطل پر اقدام کر کے اُس کو حق ظاہر کرے اور ـل پرستی کی حمایت پر اڑ جائے تو یہ "قساوتِ قلب" ہے۔

ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ — پھر اس کے بعد اُن کے دل سخت ہو گئے۔ پس وہ پتھر کی مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت۔

آخری درجہ یہ ہے کہ باطل میں پورا پورا انہماک ہو جائے، اُس کو پسندیدہ اور مرغوب سمجھے ـ اور دوسروں کو بھی ترغیب دے، اور اُس سے محبت پیدا کرائے تو اس کا نام "ختم" (مہر) ہے۔ گویا ـکے دل پر مُہر لگ جاتی ہے۔ اس کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے۔

ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ۔ — اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے اور اُن کے کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں۔

ام علیٰ قلوب اقفالھا — کیا اُن کے دلوں پر قفل لگے ہیں۔

پس بداخلاقی اور عصیان کا پہلا درجہ کسل ہے اور اُس کا نتیجہ زیغ اور دوسرا درجہ غباوت ہے اور ـکا نتیجہ رین۔ اور تیسرا درجہ وقاحت ہے اور اُس کا نتیجہ قساوت۔ چوتھا درجہ انہماک ہے اور اس کا نتیجہ ختم و ـال۔ بہرحال حسنات اور کریمانہ اخلاق کا درجۂ کمال نبوت کے بعد صدیقیت ہے اور سیئات و بداخلاقی کی

© rasailojaraid.com

کتاب الذریعہ ص ۴۸ تا ۵۰